© rasailojaraid.com

عمادالحسن آزاد فاروقی

مغرب کا تصوّر اسلام اور اس کا سیاسی پہلو

مغرب میں تصوّر اسلام کی تاریخ بہت طویل ہے۔ اس کے مختلف مراحل رہے ہیں جن کو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کسی بھی دو مختلف طرح کی تہذیبوں کے مابین تعلقات میں الجھاؤ، پیچیدگیاں اور کش مکش ناگزیر ہے۔ مغربی دُنیا کے اسلام سے تعلق میں بھی یہ چیزیں شامل رہی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مغربی دُنیا کے اسلام سے تعلق کے ان پہلوؤں کو جو بنیادی حیثیت کے حامل ہیں، واضح کیا جائے تاکہ اس تعلق کی نوعیت پورے طور سے سمجھ میں آسکے۔

ساتویں صدی عیسوی میں مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ میں اسلامی سلطنت کے قیام نے عیسائی دُنیا کے لیے اسلام کو ایک ایسی سیاسی حقیقت کے طور سے مسلّم کر دیا تھا جس کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے مقامات مقدّسہ اور فلسطین پر مسلمانوں کے قبضہ نے اس سیاسی حقیقت کا ایک مذہبی پہلو بھی پیدا کر دیا تھا۔ اس طرح اسلام کا مغربی عیسائی دُنیا سے پہلا تعارف اس نوعیّت کا تھا جس میں اسلام ایک طاقتور سیاسی حریف کے طور سے عیسائی علاقوں کے لیے ایک مستقل خطرہ تھا۔ بعد کی صدیوں میں اسلامی سلطنت کی عظیم الشان ترقیوں، مسلمانوں کے تہذیبی و تمدنی کارناموں، صنعت و حرفت کے میدان میں ان کے کمالات اور بین الاقوامی تجارت میں ان کی زبردست ساکھ نے اسلام کے اس تصوّر کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اس میں اور اضافہ ہی کیا۔ مغربی دُنیا کے لیے اسلام کے ایک خطرناک اور طاقتور دشمن ہونے کے تصوّر کی تاریخ اس سے کہیں زیادہ طویل ہے جتنا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ بارہویں صدی عیسوی کی صلیبی جنگیں بھی مغربی دُنیا کے لیے اسلام کے اسی تصوّر کے پس منظر میں اور اس کے ردعمل کے طور پر سمجھی جاسکتی ہیں۔

مغربی دُنیا اور اسلام کے درمیان نفرت اور خوف کے اس رشتہ کو عثمانی ترکوں کے اقتدار اور مشرقی یورپ پر ان کے حملوں سے مزید تقویت پہنچی۔ اور اس طرح مغربی دُنیا کے لیے اسلام کا ایک خطرناک اور نفرت انگیز دشمن کی صورت میں یہ تصوّر عہد وسطیٰ کے پورے دور سے گزرتا ہوا اٹھارہویں صدی عیسوی میں اس وقت متزلزل ہوا جبکہ روسی شہنشاہیت نے اپنے پاؤں پھیلانے شروع کیے اور اس سے مقابلہ کرنے میں پہلی بار عثمانی سلطنت کی کمزوریاں واضح ہوئیں۔ اٹھارہویں صدی کے اواخر میں جب نپولین نے مصر پر قبضہ کیا تو اس وقت تک صورت حال بالکل برعکس ہوچکی تھی۔ اب یورپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے برخلاف اسلامی دُنیا تھی جو اپنی تمام تر کمزوریوں کے ساتھ مغربی طاقتوں کے خطرہ کو محسوس کر رہی تھی اور ان کے بڑھتے ہوئے سیاسی و تمدّنی غلبہ کا شکار ہو رہی تھی۔ مختلف وجوہات کی بناء پر مصر پر فرانسیسی قبضہ کو مغربی دُنیا اور اسلام کے درمیان تعلق کے ایک نئے دور کا آغاز سمجھنا چاہیے۔ اس دور میں جس کو استعماریت کے دور سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، مسلم ممالک مغربی طاقتوں کے سیاسی اور تمدّنی دونوں اعتبار سے محکوم رہے اور ان کے لیے ایک ایسے مردہ جسم کی صورت اختیار کر گئے جس میں مغربی طاقتیں اپنی مرضی کے مطابق چیر پھاڑ کرتی رہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس صورتِ حال میں پھر تبدیلی پیدا ہونا شروع ہوئی۔ اور جہاں اس دور میں اسلامی مملکتوں نے استعماری طاقتوں سے آزادی حاصل کی۔ وہاں یہ مملکتیں مغربی طاقتوں کے مقابلے میں اپنے الگ وجود اور اپنی انفرادیت پر زور دینا بھی سیکھ رہی ہیں۔

اسلام کے مغربی دُنیا کے ساتھ تعلقات کے اس پسِ منظر میں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ ہر دور میں دُنیائے اسلام کی سیاسی اہمیت اور اس کی مغربی طاقتوں کے ساتھ تعلق کی نوعیت مغربی دُنیا میں اسلام کے تصوّر پر براہ راست اثر انداز ہوتی رہی ہے۔

تاریخِ اسلام کی ابتدائی پانچ صدیوں نے جس میں کہ اسلام مغربی دُنیا کے لیے شام، فلسطین، شمالی افریقہ اور اسپین کے عیسائی علاقوں کے غاصب ایک طاقتور دشمن کی حیثیت رکھتا تھا، وہ خطوط متعین کر دیے تھے جن کے مطابق عیسائی دُنیا میں اسلام، پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں کی ایک مسخ شدہ تصویر کو بڑھاوا ملتا رہا۔ اس دور میں جس کا سلسلہ عہدِ وسطیٰ کے اختتام تک جاری رہا، اسلامی عقائد، پیغمبرِ اسلام کی شخصیت، ان کی سیرت اور تعلیماتِ اسلام عیسائی مصنفین کے حملوں، غلط تعبیروں اور بیشتر تضحیک کا نشانہ بنتی رہیں۔ ایسے تصوّرات کہ "اسلام عیسائیت کی ایک ملحدانہ شکل ہے" یا "اسلام عیسائیت کے خلاف ایک گھناؤنی سازش ہے" یا حضور پاک ﷺ کی ذاتِ مبارک سے متعلق طعن آمیز تشبیہات، آپ ﷺ کی سیرت پاک کے واقعات کو توڑ مروڑ کر اس انداز میں پیش کرنا جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ آپ ایک ہوس پرست اِنسان تھے جنہوں نے قرآن کو اپنی ذاتی اغراض کے لیے استعمال کیا یا اسلامی تعلیمات کو عیسائی راہب بحیرہ کے ذریعہ یہودیت اور عیسائیت سے مستعار بتانا، عہدِ وسطیٰ کی اسلام کے بارے میں عیسائی تحریروں کے عام موضوع تھے۔

بہرحال اگر عہدِ وسطیٰ میں رائج اسلام کے بارے میں عیسائیوں کے اِن افتراء انگیز اور تعصّب آمیز تصوّرات کی تحقیق کی جائے تو ان میں سے زیادہ تر کا سلسلہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے مل جاتا ہے جبکہ اسلام عیسائیت کے لیے ایک خطرناک دشمن کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اس سلسلے میں اِن عیسائیوں کا جو اسلام کے مقبوضہ علاقوں میں ذمّیوں کی حیثیت سے رہتے تھے، ایک خاص کردار رہا ہے۔ اِن ذمّی عیسائیوں کے مذہبی رہنماؤں اور عالموں کے پاس اسلام اور مسلمانوں سے بغض و عناد رکھنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیرونی عیسائیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ وجوہات تھیں، ان کی آنکھوں کے سامنے عیسائی عوام اسلامی سلطنت کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر اُبھرتے ہوئے اسلامی تمدّن کے رنگ میں رنگے جا رہے تھے اور وہ ان کو روکنے میں اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتے تھے۔ صورت حال ایسی تھی کہ غیر مسلموں کے لیے اسلامی ریاست کا عطا کردہ رواداری اور آزادی کا ماحول بھی ان کے لیے پریشان کن ثابت ہو رہا تھا، کیونکہ اس رواداری کی موجودگی میں عیسائی عوام کے اسلامی تمدّن سے متاثر ہونے اور مسلمانوں کے اثرات قبول کرنے میں مزید آسانی ہو رہی تھی۔

اس لیے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں اگر مغربی دُنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بے بنیاد اور غلط تصوّرات کو پھیلانے میں مسلمان علاقوں میں رہنے والے عیسائیں نے پیش رو کا کام کیا ہو۔ اس سلسلے میں اسلامی دُنیا کے مشرقی علاقے سے دمشق کے سینٹ جان اور یحییٰ ابن عدی اور اسپین کے سینٹ ایلوجس، پال الوروس اور عبدالمسیح ابن اسحاق کی تحریرات کو ذمی عیسائی علماء کا نمائندہ سمجھا جا سکتا ہے۔ انہی ذمی عیسائیوں کی پیش کردہ اسلام کی مسخ شدہ تصویر کی بنیاد پر بعد کے مغربی اور لاطینی عیسائی علماء نے اسلام کے بارے میں اپنے تصوّرات کی بنیادیں رکھیں اور اسلام اور مسلمانوں کی یہی افتراء پردازانہ تصویر ہے جو پورے عہدِ وسطیٰ میں مغربی دُنیا میں مقبول رہی۔

عہدِ وسطیٰ میں رائج اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے سلسلے میں ان غلط تصوّرات کے پیچھے ذمّی عیسائی علماء کا تعصّب اور ان کی نفسیاتی اُلجھن بہت صاف ظاہر ہوتی ہے یہ عیسائی علماء اسلامی معاشرہ کے عین درمیان رہتے تھے۔ ان کے لیے اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنا، اگر وہ اس میں دلچسپی رکھتے، کچھ مشکل نہ تھا۔ لیکن یہی ہمارا خاص نکتہ ہے کہ ان عیسائی علماء کو اسلام کے بارے میں صحیح معلومات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اسلام کی زیادہ سے زیادہ غلط تصویر پر خود یقین رکھنا چاہتے تھے اور اسی کو اپنے ہم مذہبوں میں پھیلانا چاہتے تھے اسلام کی صرف ایک نفرت انگیز اور مضحکہ خیز تصویر ہی اسلام کے خلاف ان کے بغض و عناد کو جائز بنا سکتی تھی۔ اسلامی عقائد کی غلط تعبیریں ہی عیسائی عقیدہ کی برتری اور اس کی بنیادوں پر ان کا اور ان کے ہم مذہبوں کا ایمان برقرار رکھ سکتی تھیں۔ بعد کی صدیوں میں جب مغربی دُنیا کے عیسائیوں نے ذمی عیسائیوں کی تحریرات سے اسلام کا یہ مسخ شدہ تصوّر مستعار لیا تو ان کے پاس بھی اس تصوّر کو باقی رکھنے اور اس میں مزید گل کاریاں کرنے کی یہی وجوہات، اگرچہ کچھ کم شدّت کے ساتھ، موجود تھیں۔ یہ نفسیاتی محرّکات عہدِ وسطیٰ کی تمام صدیوں سے گزرتے ہوئے تقریباً اس وقت تک کام کرتے رہے جب تک کہ جدید دور کی ابتداء کے ساتھ عالمی سیاست کا پانسہ اُلٹ نہیں گیا اور طاقت کا توازن مغربی ممالک کے حق میں نہیں ہو گیا۔

اٹھارہویں صدی کے وسط تک عثمانی سلطنت کی کمزوریاں واضح ہونے لگی تھیں اور مغربی طاقتوں کے نوآبادیاتی منصوبے بروئے کار آنے لگے تھے۔ مشرقی دُنیا پر ان کے بڑھتے ہوئے تسلط کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی مغربی ممالک کا مشرق کے مقابلے میں اپنی فوجی اور تمدّنی برتری کا احساس بھی ترقی کر رہا تھا۔ ۱۷۹۸ء میں مصر پر نپولین کا قبضہ، ایران میں روسی اور برطانوی طاقتوں کی مداخلت، ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ، مغربی طاقتوں کی حمایت پر بلقان کے عثمانی مقبوضات میں عیسائیوں کی بغاوت اور ایشیا اور افریقہ کے متعدّد ممالک پر مغربی ممالک کا نوآبادیاتی تسلط مشرقی دُنیا پر مغربی طاقتوں کے بڑھتے ہوئے اثر کا آئینہ دار تھا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں مغربی ممالک کی علوم و فنون کے ہر میدان میں اور خاص طور سے سائنس اور ٹکنالوجی میں روز افزوں ترقیات مشرقی دُنیا پر اِن کے سیاسی اور تمدّنی غلبہ کو مزید تقوّیت پہنچا رہی تھیں۔ ان تمام اسباب کا نتیجہ یہ تھا کہ مغربی دُنیا بہت تیزی سے اپنی تہذیبی اور فوجی برتری کے ایک ایسے غیر متزلزل احساس کی قائل ہوتی جا رہی ہے تھی جو پہلے کبھی اِن کے خواب و خیال میں بھی نہیں آیا تھا۔ مشرق اور اسلامی دُنیا کے مقابلے میں مغرب کا یہ احساس برتری جدید دور میں اِن کے باہمی تعلق کی نمایاں خصوصیت قرار پایا۔ اسلامی دُنیا پر مغربی ممالک کے بڑھتے ہوئے اقتدار اور مغربی دُنیا کے مندرجہ بالا احساس برتری کے اثرات بظاہر مغرب کے تصوّرِ اسلام پر بھی پڑے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کی ابتداء سے ہی مغربی دانشوروں میں ایک ایسی خود اعتمادی محسوس ہوتی ہے جس کے نتیجے میں وہ قرونِ وسطیٰ کے مقابلے میں اسلام کی ایک زیادہ صحیح اور حقیقی تصویر کو اہمیت دینے پر مائل نظر آتے ہیں۔ اِس دور میں مغربی دُنیا اور اسلامی ممالک میں قرونِ وسطیٰ کے برخلاف ایک براہ راست تعلق بھی پیدا ہوا۔ مغربی ممالک کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد مختلف حیثیتوں میں اسلامی دُنیا میں آنے جانے لگی۔ اِن میں فوجی سپاہی بھی تھے، سیّاح بھی، نوآبادیاتی حکومتوں کے افسر بھی تھے اور معمولی اہل کار بھی، تجارت پیشہ لوگ بھی تھے اور نوادرات کے شائقین بھی۔ اِن لوگوں نے واپس جا کر مغربی ممالک میں مسلمانوں اور اسلام کا جو آنکھوں دیکھا حال بتایا اِس نے بھی مغرب میں اسلام سے متعلق عہدِ وسطیٰ کی من گڑھت اور توہماتی تصویر کی جگہ ایک حقیقت سے نسبتاً قریب تصوّر کو جگہ دینی شروع کی۔ لیکن اِس سے بھی زیادہ جس چیز نے مغرب میں اسلام کے ایک نسبتاً حقیقت پسندانہ تصوّر کو ابھرنے میں مدد دی وہ مغربی دانشوروں کی اسلام کے بنیادی ماخذوں سے متعلق معیاری کتابوں کی تلاش و تحقیق تھی۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں مغربی دانشوروں کی اسلامی تمدّن کے ماخذوں سے متعلق اہم تصنیفات کی تحقیق، ترجمہ و طباعت، اسلامی مذہب اور تمدّن کے بے شمار شاہ پاروں کو گمنامی کے دھندلکے سے منظرِ عام کی روشنی میں لے آئی۔ دوسری طرف اب مغربی اقوام کے اقتدار اور مسلمانوں کی مغلوب حیثیت کی وجہ سے اسلام کے بارے میں افسانہ طرازیوں کی وہ نفسیاتی وجہ بھی نہیں باقی رہ گئی تھی جس کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں۔ اِن عوامل کا لازمی نتیجہ اسلام کے بارے میں نسبتاً زیادہ صحیح اور حقیقی معلومات کی شکل میں ظاہر ہوا۔

تہذیبِ اسلام کے قدیمی سرمایہ اور ماخذوں کی تلاش و تحقیق سے قطع نظر اگر ہم اِن تحریروں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائزہ لیں جو بذاتِ خود ان مغربی دانشوروں نے اسلام کے بارے میں اِس دور میں تحریر کی ہیں تو ہم کو باوجود عہدِ وسطیٰ کے مقابلے میں زیادہ حقیقت پسندانہ روّیہ کے دو اہم اعتبارات سے ان میں تعصب کی جڑیں بہت گہری محسوس ہوتی ہیں۔ پہلی چیز تو یہ کہ دورِ جدید کے تقریباً سبھی مستشرقین کی تحریروں میں اسلام اور مسلمانوں کے مقابلے میں اپنی تمدّنی اور سیاسی برتری کا احساس ان کے لیے ایک اٹل حقیقت رکھتا ہے۔ اپنی تہذیبی و تمدّنی برتری پر انہیں جو وثوق کامل حاصل ہے، وہ ہمیشہ ان کے نقطۂ نظر کو بنیادی طور پر متعین و محدود کرتا رہتا ہے۔ مغربی دُنیا کی ہر لحاظ سے برتری اور مشرق کو اس سے بالکل الگ ایک دوسری (اور نچلی) سطح کا تمدّن سمجھنے کا ہی نتیجہ ایسے عمومی فیصلے اور بیانات ہیں جو ایک غیر ذمہ دارانہ انداز میں مخصوص خصوصیات اور تصوّرات کو نہ صرف اسلام اور مسلمانوں بلکہ پورے مشرق پر تھوپنے میں کوئی جھجک نہیں محسوس کرتے۔

دورِ جدید میں مستشرقین کے تعصّب کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حیرت انگیز طور پر باوجود ان تمام تبدیلیوں کے جو عالمی سطح پر اس دور میں واقع ہوئیں اور باوجود تمام علمی ترقیوں کے جن میں ان مستشرقین کا بھی ایک حصّہ ہے، اسلام کے سلسلے میں وہ کلیدی نظریات جو عہدِ وسطیٰ سے ورثہ میں ملے تھے ان مغربی مصنفین کی تحریروں میں بھی جوں کے توں موجود ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ حقائق اور واقعیت کے اعتبار سے اب مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں مغربی دانشوروں کی معلومات عہدِ وسطیٰ کے مقابلے میں کہیں زیادہ صحیح اور اکثر و بیشتر خود اسلامی ماخذ پر مبنی ہوتی تھیں لیکن جہاں تک ان بنیادی نظریات اور تصوّرات کا سوال ہے جو عہدِ وسطیٰ سے عیسائی تعصّب کا مظہر رہے ہیں ان کے سلسلے میں دورِ جدید کے عیسائی مصنفین کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ان نظریات میں خاص طور پر قرآن پاک کے حضور ﷺ کی تصنیف ہونے، آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں الزام تراشی، آپ کے خلوصِ نیّت پر شبہ، اسلام کی تبلیغ میں طاقت اور چالاکی کا استعمال اور بیسویں صدی میں جب وحی والہام کے سلسلے میں آپ ﷺ پر براہ راست الزامات بعید از قیاس معلوم ہونے لگے تو آپ ﷺ پر خود فریبی اور کسی مرض میں مبتلا ہونے کا قیاس، وہ مخصوص تعصّبات ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں بیسویں صدی کے نصف تک کم و بیش تمام مستشرقین کی تصنیفات کے بنیادی مسلّمات رہے ہیں۔ اس ضمن میں ہم نارمن ڈینئیل کی کتاب "اسلام اینڈ دی ویسٹ" کی بنیاد پر ان چند اہم کتابوں کا ذکر کیے دے رہے ہیں جو اسلام اور سیرت پاک کے موضوع پر اس دور میں لکھی گئیں۔ مثلاً خواہ وہ سترہویں صدی کے آخر (۱۶۹۷ء) میں تحریر کردہ ہمفری پری دو کی کتاب "دی ٹرو نیچر آف امپوسٹر فلی ڈسپلیڈ ان دی لائف آف مہومٹ" ہو جس کے عنوان سے ہی مصنف کا تعصّب پورے طور پر عیاں ہے یا اٹھارہویں صدی کے شروع (۱۷۰۸ء - ۱۷۱۸ء) کی سائمن اوکلے کی مایہ ناز تصنیف "ہسٹری آف دی سارا سینز" ہو جس میں عربی ماخذ کی مدد سے مسلمانوں کی ابتدائی فتوحات کا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ۱۷۳۴ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اٹھارہویں صدی کا علمی اعتبار سے وقیع ترین ترجمۂ قرآن مع سیرت پاک جی - سیل کا "دی کوران" ..... ہو یا ۱۷۴۲ء میں تصنیف کردہ والٹییر کی "لی فیناٹسمے آن مہومٹ لی پروفٹ" ہو۔ اٹھارہویں صدی کے آخری ربع (۱۷۷۶ء - ۱۷۸۸ء) میں چھپی ہوئی گبن کی شاہکار تصنیف "دی ڈکلائن اینڈ فال آف رومن امپائر" ہو جس کا پچاسواں باب اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف ان تمام تعصبات کو روا رکھتا ہے جو عہدِ وسطیٰ کا خاصہ رہے ہیں یا ۱۷۸۳ء میں ایم - ساورے کا ترجمۂ قرآن مع عربی ماخذ پر مبنی سیرت پاک کے، جو ترجمۂ قرآن سے پہلے بطور مقدمہ شامل ہے۔ ۱۷۹۹ء میں چھپی ہوئی لیونارڈس چینس کی کتاب "لائف آف مہومٹ آر دی ہسٹری آف دیٹ امپوسٹر" ہو جو حضور پاک ﷺ کے خلاف اپنے تعصب میں تمام حدوں کو پار کرتی ہوئی والٹییر کی کتاب کا مقابلہ کرتی ہے لیکن بہرحال اس کی افسانہ طرازیوں کو نہیں پہنچ سکی یا انیسویں صدی کے نسبتاً زیادہ حقیقت پسند دور میں ۱۸۴۱ء کی چھپی ہوئی کارلائل کی "آن ہیروز" ہو۔ ۱۸۵۹ء کی طبع شدہ آ کے ہرسٹ کی کتاب "امپوسٹر انسٹینسنڈ ان لائف آف مہومٹ" ہو یا بیسویں صدی کے اوائل (۱۹۱۱ء) کی تصنیف پیری لیمنس کی "مہومٹ فٹ ال سنسیئر" - ۱۹۶۳ء میں سر ولیم میور کی "دی لائف آف محمد ﷺ" اور اسی سال چھپی ہوئی ڈی - ایس مارگولیوتھ کی "محمد اینڈ دی رائز آف اسلام" ہو یا اپنے قریبی زمانے ۱۹۵۹ء میں چھپی ہوئی برخارٹ کی "ججمنٹ آن ہسٹری" ہو۔ اِن تمام کتابوں میں اور ان جیسی سیکڑوں کتابوں میں جو کہ اسلام کے بارے میں مغربی مصنفین نے اس دور میں تحریر کیں عہدِ وسطیٰ کے مسلّمہ عیسائی تعصّبات جوں کے توں موجود ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عہدِ وسطیٰ کے مقابلے میں عصرِ جدید کی ابتداء سے ہی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بتدریج ان کتابوں میں افسانوی اور من گڑھت مواد کم سے کم ہوتا گیا اور علمی معیار کی ترقی اور حقیقت پسندی کے رجحان کی وجہ سے بتدریج واقعات کی صحت کا خیال اور اسلامی ماخذ کا استعمال عام ہوتا گیا لیکن اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں مذکورہ بنیادی تعصّبات علمی تحقیق پر مبنی اور اصل ماخذ سے مستفید کتابوں کا بھی ویسا ہی لازمی جز تھے جیسا کہ ان کتابوں کا جو عیسائی مذہبی تعصّب سے متاثر ہو کر لکھی گئیں تھیں۔

مغربی دُنیا میں تصوّر اسلام کے عام رجحان کو دیکھتے ہوئے کسی حد تک صحت کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے مغربی مصنفین کے روّیہ میں نمایاں تبدیلی ہوئی ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے نو آبادیاتی ممالک میں استعماری قوّتوں سے آزادی حاصل کرنے کا رجحان اور اسلامی دُنیا میں بیداری کی لہر بڑھتی ہی چلی گئی۔ دوسری طرف جنگِ عظیم میں مغربی اقوام کی ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی اور بربریت کے مظاہروں نے مغربی تمدّن اور قوّت کا بھرم بہت کچھ کھو دیا۔ جنگ کے ہولناک تجربوں نے مغرب کے احساسِ خود اعتمادی اور اپنی لازمی تمدّنی برتری کے یقین کو بنیادی طور پر متزلزل کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ تیسری دُنیا کے ایک بڑے حصّے کے طور پر اسلامی ممالک میں اپنے وجود کو منوانے اور اپنی انفرادیت پر زور دینے کے نتیجے میں مغربی ممالک کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باشعور طبقہ اسلام اور مسلمانوں کو ایک زندہ حقیقت سمجھنے پر مجبور ہوتا جارہا ہے۔ استعماری دور کا وہ نظریہ جس میں اسلام کو آثار قدیمہ کا ایک نمونہ تصوّر کرلیا گیا تھا جس کے نوادرات کو مغربی محققین کھود کھود کر نکال رہے تھے، اب ماضی کی یادگار بن گیا ہے۔ ہمارے ہم عصر مغربی دانشور مجبور ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کو ایک جیتی جاگتی اور نمو پذیر طاقت سمجھیں اور اس اعتبار سے ان سے مخاطب ہوں۔ اس طرح ایک بار پھر دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے دُنیائے اسلام کی سیاسی حیثیت میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کا اثر براہ راست مغرب کے تصوّر اسلام پر پڑ رہا ہے۔ ادھر کچھ عرصہ سے مغربی دانشوروں کے اس بدلے ہوئے رجحان کا اظہار ایسی تصنیفات کی شکل میں بھی ظاہر ہو رہا ہے جو اسلام اور عیسائیت کے درمیان مشترک مذہبی و روحانی قدروں کی تلاش و تحقیق پر کام کر رہے ہیں۔ اس رجحان کے پیچھے علاوہ دوسرے عوامل کے یہ جذبہ بھی کار فرما معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے مذہبی ورثہ میں ایسا بہت سا مواد موجود ہے جس سے روحانیت کے قحط میں مبتلا خود عیسائی دُنیا فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں پچھلی چند دہائیوں میں جن مغربی دانشوروں نے نمایاں کام کیے ہیں ان میں پروفیسر گیوم، ایل - گاردے، پیری اناوتی، پادری آر - مکارتھی، کینتھ کے - کریگ، پیری عبدالجلیل، مرائٹ پادری وائی - مبارک اور سب سے بڑھ کر خود سر ہملٹن گِب کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com